37

مختلف علاقوں میں تبلیغ وسیع کرنے کے لئے مختلف زبانوں کے مبلغ تیار کئے جائیں

(فرمودہ 2 / نومبر 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"ہمارا ملک ایک براعظم کی حیثیت رکھتا ہے جس میں 40 کروڑ کے قریب آدمی بستے ہیں اور آٹھ دس ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جو کروڑوں آدمیوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً پنجابی، اردو، انگریزی، ہندی، بنگالی، تامل، مرہٹی، گجراتی یہ آٹھ زبانیں ہیں۔ پہلے برما ہندوستان میں شامل تھا لیکن اب اسے الگ کر دیا گیا ہے اگر برمی زبان کو بھی شامل کر لیا جائے تو نو زبانیں ایسی ہیں جو کروڑوں لوگوں میں بولی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی زبانیں جو پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ، ستّر ستّر، اسّی اسّی لاکھ تک کی تعداد رکھنے والے آدمیوں میں بولی جاتی ہیں اِن کے علاوہ ہیں۔ مثلاً سرحد میں پشتو، سندھ میں سندھی، اڑیسہ میں اڑیہ اسی طرح تلنگو وغیرہ زبانیں جو مدراس، حیدرآباد اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بولی جاتی ہیں ایسی ہیں جو چالیس پچاس لاکھ سے لے کر ستّر اسّی لاکھ تک کی تعداد رکھنے والے لوگوں میں بولی جاتی ہیں۔ اور دنیا کی کئی آزاد حکومتیں ایسی ہیں جن کی آبادی اتنی ہی ہے پس ہمارا ملک ایک براعظم ہے اور جہاں باقی دنیا میں تبلیغ کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ وہاں ہندوستان میں تبلیغ کے سلسلہ کو وسیع کرنا بھی ہمارے اہم فرائض میں شامل ہے۔ اردو زبان میں ہم ایک محدود دائرہ میں تبلیغ کر سکتے ہیں۔

انگریزی زبان میں بھی صرف تعلیم یافتہ طبقہ میں جو کروڑ دو کروڑ ہے ہم تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بنگالی، ہندی، مرہٹی، گجراتی اور تامل وغیرہ زبانوں میں سے کسی زبان میں بھی ہم سارے ہندوستان کو خطاب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ زبانیں ایک ایک یا دو دو صوبوں میں بولی جاتی ہیں۔ یا پھر ان زبانوں کے ذریعہ چند ریاستوں میں ہم تبلیغ کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان میں سے کوئی ایک زبان بھی ایسی نہیں جو تبلیغ کے لحاظ سے سارے ہندوستان میں کام آسکے۔ یوں اردو زبان قریباً ہر جگہ اِسی حد تک سمجھی جاتی ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے گزارہ کر سکتا ہے۔ مثلاً کسی نے تھوڑا بہت سودا خریدنا ہو یا راستہ پوچھنا ہو تو ایسے کاموں میں وہ ہر جگہ کام آسکتی ہے۔ اِسی طرح ایسے کاموں میں انگریزی زبان بھی تھوڑی بہت ہر جگہ کام آجاتی ہے۔ جہاں بھی چلے جاؤ سرکاری ملازم اور پولیس کے آدمی مل جائیں گے جو تھوڑی بہت انگریزی جانتے ہوں گے۔ مگر تبلیغ میں تو لمبے اور وسیع اور باریک مضامین بیان کرنے ہوتے ہیں۔ کسی سے یہ کہہ دینا کہ مہربانی کر کے راستہ بتا دو یا یہ پوچھنا کہ تمہارے پاس ڈاک خانہ کے ٹکٹ ہیں یا نہیں؟ یا یہ کہنا کہ میرا لفافہ رجسٹری کر دو یہ اَور چیز ہے لیکن کسی کے سامنے ہستی باری تعالیٰ پر مضمون پیش کرنا، ملائکہ کے وجود پر دلائل دینا، انبیاء کی آمد کے متعلق لوگوں کے سامنے معلومات رکھنا، قرآن شریف کی خوبیوں اور اس کے محاسن کو پیش کرنا یہ بالکل اَور بات ہے۔ ڈاک خانہ کا ہر بابو اِتنی انگریزی جانتا ہے کہ جس میں وہ بتا دے کہ اُس کے پاس ٹکٹیں ہیں یا نہیں، لفافہ پر کتنے کے ٹکٹ لگانے چاہئیں، ڈاک کس وقت جاتی ہے ایسی چھوٹی موٹی باتیں وہ انگریزی زبان میں کر سکتا ہے۔ لیکن اسے انگریزی میں تبلیغ کر کے مذہب نہیں سکھایا جا سکتا۔ انگریزی میں تبلیغ کر کے مذہب کی باتیں اُسی شخص کو سمجھائی جا سکتی ہیں جو انگریزی کا اچھا عالم ہو۔ مثلاً گریجوایٹ ہو یا ایف اے ہی ہو لیکن وہ ایسی صحبت میں رہا ہو جہاں انگریزی زبان بولی جاتی ہو۔ اور اگر کوئی شخص انگریزی اور اردو نہ جانتا ہو تو پھر اُس کی زبان میں ہی بات سمجھانی پڑے گی۔ اِس لئے ہندوستان کا کوئی علاقہ بھی ایسا نہیں جس کی زبان کو ہم نظر انداز کر سکیں۔

اڑیہ زبان بڑی زبان نہیں مگر پھر بھی چالیس پچاس لاکھ آدمیوں کی زبان ہے۔ وہاں نہ اردو میں تبلیغ کی جا سکتی ہے، نہ انگریزی میں نہ بنگالی میں اور نہ کسی اَور زبان میں۔ اگر کی

جاسکتی ہے تو صرف اڑیہ میں۔ اِس علاقہ میں کچھ انگریزی جاننے والے بھی نکل آئیں گے کچھ اَور زبانیں جاننے والے بھی نکل آئیں گے لیکن بہت تھوڑے۔ سارا ملک اڑیہ ہی جانتا ہو گا اور انگریزی سے بہت کم لوگوں کو مَسْ ہو گی۔ اس لئے ان کو باتیں سمجھانے کے لئے اڑیہ زبان میں ہی گفتگو کرنی ضروری ہو گی۔ اِسی طرح پنجاب کے شہروں میں چلے جاؤ۔ انگریزی میں تقریر کرو تو امرتسر میں مقبول ہو جائے گی لاہور میں مقبول ہو جائے گی، اسی طرح اَور بڑے بڑے شہروں میں مقبول ہو جائے گی۔ اردو میں تقریر کرو تو اسے بھی شہروں کے لوگ پسند کریں گے۔ لیکن اگر گاؤں میں چلے جاؤ تو بہت سے گاؤں ایسے ہوں گے جہاں اردو کی تقریر کامیاب نہیں ہو گی۔ سب سے زیادہ اردو سے وابستگی رکھنے والی ہماری جماعت ہے۔ وہ ہمیشہ ہماری باتیں اردو میں ہی سننے کی عادی ہے۔ مگر قریباً ہر جلسہ پر میرے پاس گاؤں کے رہنے والے دوست شکایت کیا کرتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی تقریر پنجابی میں بھی ہونی چاہیے تا اچھی طرح مسائل سمجھ میں آسکیں۔ اردو میں تقریر وہ سمجھ تو لیتے ہیں مگر اُسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح بنگالی آدمی کا معدہ روٹی پچا سکتا ہے۔ وہ روٹی کو ہضم تو کر لے گا لیکن وہ اس کے لئے چاول کا قائم مقام نہیں ہو گی جیسے ہمارے ملک میں کہتے ہیں کہ "انگ نہیں لگتی" اسی طرح وہ اسے "انگ نہیں لگتی" وہ ان چیزوں سے فائدہ تو اٹھالے گا لیکن چونکہ وہ ایک خاص چیز کا عادی ہوتا ہے اِس لئے وہ اسی میں حقیقی لُطف اٹھا سکتا ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ مثلاً وہ آدمی جو پنجابی سننے کے عادی ہوتے ہیں اردو کی بات اس طرح ان کے دل میں گڑتی نہیں جس طرح پنجابی اُن کے دل میں گڑ جاتی ہے۔ پنجاب کی جو مستورات ہمارے جلسہ سالانہ پر آتی ہیں ان کی ہمیشہ یہ درخواست ہوتی ہے کہ رات کے وقت جہاں جہاں وہ ہوں وہاں کوئی پنجابی مولوی تقریر کے لئے بھیجا جائے۔ اور اگر کوئی شخص جا کر انہیں پنجابی میں ڈھولے سنا دیتا ہے یا تقریر کر دیتا ہے تو کہتی ہیں اب بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔ اس کے بغیر اُن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ پس تمہاری زبان جاننے والا آدمی تمہاری زبان جاننے کی وجہ سے تمہاری بات تو سمجھ لے گا لیکن اُس کی پوری تسلی اپنی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں نہیں ہو سکتی۔

ایک دفعہ ہم کشمیر گئے وہاں خواجہ کمال الدین صاحب کے بھائی خواجہ جمال الدین صاحب

تعلیم کے انسپکٹر تھے۔ انہوں نے ہماری دعوت کی اور ہمارے پنجابی ہونے کی وجہ سے کھاناوہ پکایا جو پنجاب میں پکتا ہے۔ جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو آہستہ سے دروازہ ہلا اور کسی نے اندر کی طرف جھانکا۔ جب دو چار دفعہ اِسی طرح ہوا تو خواجہ صاحب نے اُدھر توجہ کی اور اُنہیں معلوم ہوا کہ ایک آنکھ جھانک رہی ہے۔ وہ اٹھ کر دیکھنے گئے کہ کون جھانک رہا ہے تو جس طرح کوئی بڑا آدمی آجائے تو اُس سے بڑے تپاک سے ملا جاتا ہے خواجہ صاحب بھی باہر کھڑے ہوئے شخص سے بڑے تپاک سے کہنے لگے اندر تشریف لائیے۔ پہلے تو اُن صاحب نے کچھ پس و پیش کیا لیکن پھر مان گئے اور اندر آ گئے (غالباً وہ موجودہ واعظ صاحب کے بڑے بھائی تھے۔) انہوں نے میرے متعلق سنا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے کوئی یہاں آیا ہوا ہے۔ اِس پر باوجود اِس کے کہ وہ احمدی نہیں تھے مجھے دیکھنے کے لئے آ گئے (موجودہ میر واعظ تو ہمارے سخت مخالف ہیں لیکن ان کے بڑے بھائی کا رویہ ہمارے ساتھ اچھا تھا) لیکن اِس خوف سے کہ لوگوں کو پتہ نہ لگ جائے اُنہوں نے اپنے ملازم کو پہلے اندر جھانکنے کے لئے کہا تا معلوم ہو جائے کہ غیر لوگ تو اندر نہیں بیٹھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ کھڑے کھڑے بات کر کے چلے جائیں جس سے لوگوں کو کچھ خیال نہ ہو اور وہ خیال کریں کہ شاید خواجہ جمال الدین صاحب سے کوئی بات کرنی ہو گی۔ لیکن خواجہ جمال الدین صاحب کے اصرار پر اُنہیں اندر آنا پڑا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو خواجہ صاحب نے اُنہیں کہا کہ کھانا کھائیں۔ انہوں نے کہا میں تو کھانا کھا آیا ہوں۔ اِس پر خواجہ صاحب نے کہا یہ تو سٹھ ہے۔ سٹھ کے معنے کشمیری زبان میں روٹی کے ہوتے ہیں اور یہ لفظ پہلی دفعہ میں نے اُسی وقت سنا تھا اُن کا مطلب یہ تھا کہ یہ کھانا تو ہے ہی نہیں روٹی ہے۔ کیونکہ کشمیر میں چاول اصل کھانا سمجھا جاتا ہے۔ اس پر وہ نووارد صاحب کھانے میں شامل ہو گئے۔ اس کے بالمقابل پنجاب کی اصل غذا روٹی ہے۔ اِس وجہ سے جب کسی گاؤں میں کسی زمیندار کے ہاں چاول پکے ہوں اور کوئی ملنے آجائے اور وہ اُسے کھانے کی دعوت دے تو بعض دفعہ آنے والا کہتا ہے کہ میں کھانا کھا آیا ہوں تو گھر والا کہتا ہے کہ چاول ہیں کوئی لقمہ کھالو تو وہ شامل ہو جاتا ہے۔ اور اکثر گھر والوں سے کم کھا کر نہیں اٹھتا کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ تو کھانا نہیں چاول ہیں اس لئے ان کے کھانے سے معدہ پر کوئی خاص بوجھ نہ پڑے گا۔

یہی حالت زبانوں کی ہوتی ہے۔ غیر زبان ناشتہ کے طور پر تو کام دے جاتی ہے لیکن اس سے پیٹ نہیں بھرتا۔ جس طرح چاول کھانے والے کا روٹی سے پیٹ نہیں بھرتا اور روٹی کھانے والے کا چاول سے نہیں بھرتا اِسی طرح ہر زبان والا جب تک اپنی زبان میں باتیں نہ سن لے اُسے مزہ نہیں آتا۔ تبلیغ کے معنے یہ ہیں کہ بات دل میں رچ جائے۔ لیکن بات تو اُسی وقت دل میں رچتی ہے جبکہ اُس کا مزہ آئے۔ اور جب تک مزہ نہ آئے اُس وقت تک بات دل میں رچے گی نہیں۔ اور بات کا مزہ اُسی وقت آسکتا ہے جبکہ گفتگو اپنی زبان میں ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ وسیع کرنے کے لئے لوگوں کی زبانوں میں ہی تبلیغ کی جائے۔ مگر جب تک کہ ہمیں ایسے آدمی میسر نہ آئیں جو اِن زبانوں سے واقف ہوں اُس وقت تک کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ ہم ان زبانوں میں اُن لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کریں جن کو کچھ لوگ وہاں کے سمجھ لیتے ہیں۔

بنگال میں ہمارے مبلغ ہیں جو بنگالی زبان جانتے ہیں۔ سرحد میں بھی ہمارے ایسے آدمی ہیں جو پشتو میں بڑی اچھی طرح تقریر کر سکتے ہیں۔ سندھ میں بھی ہیں لیکن گجرات، مرہٹی اور تامل بولنے والے لوگ ابھی ہمارے پاس نہیں۔ اسی طرح اڑیہ بولنے والے مبلغ بھی ہمارے پاس نہیں۔ ہندی جاننے والے مبلغ ہمارے پاس ہیں لیکن وہ ایسی ہندی نہیں جانتے کہ ان سے تقریروں کی امید کی جا سکے۔ ان علاقوں میں تبلیغ کے لئے انگریزی اور اردو ایک حد تک کام دے سکتی ہیں اور کچھ طبقہ تک اِس کے ذریعہ آواز پہنچائی جا سکتی ہے لیکن سب تک نہیں۔ سب تک تبلیغ پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ ہوں جو اِن زبانوں میں تقریریں کر سکتے ہوں۔ اِسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں سارے ہندوستان میں تبلیغ کرنے کے لئے ہر زبان کو جاننے والے لوگ پیدا کرنے چاہئیں۔ مگر پنجاب میں بیٹھے ہوئے ہم ان علاقوں کے آدمیوں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہماری مختلف صوبوں کی جماعتیں اپنے اپنے علاقہ سے کچھ لوگوں کو منتخب کریں جو اپنی زندگیاں اِس غرض کے لئے وقف کریں۔ کچھ تامل جاننے والے ہوں، کچھ گجراتی جاننے والے، کچھ مرہٹی جاننے والے ہوں، کچھ کنڑی (Kinnauri) 1 جاننے والے، کچھ اڑیہ جاننے والے، کچھ تلنگی جاننے

والے اور ضروری نہیں کہ یہ لوگ عالم ہوں۔ کام شروع کرنے کے لئے جو سامان بھی میسر ہو اُسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایسے آدمیوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہے جو تھوڑا بہت اپنی زبان کا علم رکھتے ہوں۔ جیسا کہ ہم نے دیہاتی مبلغین کی سکیم بتائی ہے اِسی طرح ان لوگوں کو جو معمولی نوشت و خواند جانتے ہیں تیار کیا جا سکتا ہے۔ پہلا قدم ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ شروع میں ہی عالموں کا مل جانا بڑا مشکل ہے۔ پس اگر معمولی لکھے پڑھے ہی مل جائیں تو بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اگر لکھے پڑھے بھی نہ ملیں تو اَن پڑھوں کو بھی زبانی باتیں سکھائی جا سکتی ہیں۔

بنگہ کے ایک دوست میاں شیر محمد صاحب تھے وہ اَن پڑھ آدمی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابہ میں سے تھے۔ وہ فَنَا فِی الدِّیْنِ قسم کے آدمیوں میں سے تھے۔ اِکّا[2] چلاتے تھے اور غالباً پھلور سے سواریاں لے کر بنگہ جاتے تھے۔ ان کا طریق تھا کہ سواری کو اِکّا میں بٹھا لیتے اور اِکّا چلاتے جاتے اور سواریوں سے گفتگو شروع کر دیتے۔ اخبار الحکم منگواتے تھے۔ جیب سے اخبار نکال لیتے اور سواریوں سے پوچھتے آپ میں سے کوئی پڑھا ہوا ہے اگر کوئی پڑھا ہوا ہوتا تو اُسے کہتے کہ یہ اخبار میرے نام آئی ہے ذرا اِس کو سنا تو دیجئے۔ اِکّا میں بیٹھا ہوا آدمی جھٹکے کھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُسے کوئی شغل مل جائے۔ وہ خوشی سے پڑھ کر سنانا شروع کر دیتا۔ جب وہ اخبار پڑھنا شروع کرتا تو وہ جرح شروع کر دیتے کہ یہ کیا لکھا ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ اِس طرح جرح کرتے کہ اُس کے ذہن کو سوچ کر جواب دینا پڑتا اور بات اچھی طرح اُس کے ذہن نشین ہو جاتی۔ جب انہوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا تو اُس وقت تک اُن کے ذریعہ سے درجن سے زیادہ احمدی ہو چکے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ کئی سال زندہ رہے ہیں۔ نہ معلوم کتنے آدمی ان کے ذریعہ سے اور اِسی طریق پر احمدیت میں داخل ہوئے۔ غرض ضروری نہیں کہ ہمیں کام شروع کرنے کے لئے بڑے بڑے عالم آدمیوں کی ضرورت ہو۔ بلکہ ایسے علاقوں میں جہاں کوئی پڑھا ہوا آدمی نہیں مل سکتا اگر اَن پڑھ احمدی مل جائے تو اَن پڑھ ہی ہمارے پاس بھجوا دیا جائے۔ اسکو زبانی مسائل سمجھائے جا سکتے ہیں تا کام شروع ہو جائے۔ اگر ہم اس انتظار میں رہے کہ عالم آدمی ملیں تو نہ معلوم ان کے آنے تک کتنا

زمانہ گزر جائے گا۔ کیونکہ علماء کو مذہب کی باریکیوں میں جانا پڑتا ہے اِس لئے ان کو علم حاصل کرنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔ لیکن باوجود اِس کے کہ مذہب میں باریکیاں ہوتی ہیں جن کے سیکھنے کے لئے ایک لمبے عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ 3 یہ دین بڑا آسان بنایا گیا ہے۔ اگرچہ اِس میں بڑی بڑی باریکیاں بھی ہیں لیکن یہ اتنا سیدھا سادہ اور آسان ہے کہ ہر آدمی اس کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے اور اتنا موئثر ہے کہ سننے والوں کے دلوں کو موہتا چلا جاتا ہے۔ اصل میں اب جن کے پاس دین رہ گیا ہے وہ غریب ہی ہیں۔ کیونکہ امیروں نے غریبوں کو لوٹ لیا ہے اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اب اللہ ہی اللہ رہ گیا ہے۔ وہ اسے لینے کے لئے دوڑتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ پہلے غریب ہی صداقت کی طرف آیا کرتے ہیں اور تعلیم سے محروم بھی غریب ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے مختلف جگہوں پر کام کرنے کے لئے اگر اَن پڑھ مل سکیں تو پروا نہیں کرنی چاہیے۔ مگر ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جوش رکھنے والے ہوں اور ان میں اخلاص اور تقویٰ ہو۔ ایک دو کو بُلا کر اُنہیں زبانی تعلیم دلائی جائے اور اگر ہو سکے تو انہیں اردو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے تا کہ مسائل سیکھنے کے لئے اخبارات اور دوسرے رسالے پڑھ سکیں اور اس طرح اپنا کام چلا لیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ عالم ہوں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو چیز پوری نہ مل سکتی ہو وہ تمام کی تمام چھوڑ دینی بھی تو ٹھیک نہیں۔ عربی میں محاورہ ہے مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔ جب ساری چیز نہ مل سکتی ہو تو ساری چیز چھوڑ بھی نہیں دینی چاہیے۔ ہمارے ملک کے پنجابیوں نے تو اس سے بھی زیادہ کہہ دیا ہے کہ "جاندے چور دی لنگوٹی ہی سہی" یعنی اگر چور بھاگ جاتا ہے اور تم مسروقہ مال میں سے اس سے کچھ نہیں چھین سکتے تو اگر تم نے اُس کی لنگوٹی ہی چھین لی ہے تو کچھ نہ کچھ تو حاصل ہو گیا۔ پس ضروری نہیں کہ جب تک بڑے بڑے عالم نہ ہوں تبلیغ کا کام شروع نہ کیا جائے۔ تھوڑے سے مسائل سکھا کر ایک رَو چلا دینی چاہیے۔

ہاں یاد آ گیا کہ چھوٹی زبانوں میں سے ایک زبان کشمیری رہ گئی تھی۔ کشمیری زبان بھی چالیس پچاس لاکھ کے قریب لوگوں میں سمجھی جاتی ہے۔ گو کشمیر میں ہمارے ایک دو مبلغ

موجود ہیں۔ مگر اس علاقہ میں بھی اَور بہت سے مبلغوں کی ضرورت ہے۔ دفتر دعوت کو چاہیے کہ وہ مختلف زبانوں کے مراکز سے خط و کتابت کرے اور احمدی جماعتوں کو تحریک کرے کہ وہ ہر زبان بولنے والے ایک یا دو آدمی دیں۔ خواہ وہ اَن پڑھ ہی ہوں تا کہ اِس کام کو شروع کیا جاسکے۔ پس ایک تو یہ کام نہایت ضروری ہے دوسرے یہ بھی ضروری ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک نظام کے ماتحت جلسے کرائے جائیں اور ان میں مختلف مضامین پر لیکچر دلائے جائیں۔ میں نے دیکھا ہے اِس وقت تک جتنی تقریریں ہوتی ہیں سب بے نظام ہوتی ہیں۔ آئندہ ہمیں چاہئے کہ کچھ ایسے آدمی تیار کریں جو عربی دان ہوں اور کچھ ایسے آدمی تیار کریں جو انگریزی دان ہوں۔ ہم خود انہیں لیکچر لکھوائیں جس کے بعد وہ ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے شہروں میں دَورہ کریں اور وہی لیکچر لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ یہ لیکچر اسلامی مضامین کے متعلق بھی ہوں، عام علمی مضامین کے متعلق بھی اور ہندوؤں سکھوں اور مسیحیوں وغیرہ کے متعلق بھی۔ اِسی طرح بعض مبلغ ہندوؤں، سکھوں کے متعلق تیار کئے جائیں جو اُن کے مضامین سے واقف ہوں۔

پچھلے دنوں مبلغین کا ایک دَورہ ہوا اور وہ بڑے خوش خوش واپس آئے کہ بڑی کامیابی ہوئی ہے۔ اور کامیابی سے مراد اُن کی یہ تھی کہ ہم نے اس موضوع پر خوب تقاریر کیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں مل کر رہنا چاہیے اور لوگوں نے خوب تعریف کی۔ حالانکہ یہ کامیابی تو خواجہ کمال الدین صاحب والی کامیابی ہے۔ مضمون تو وہ ہونا چاہیے جن سے اُن پر اختلافی مسائل کی حقیقت واضح ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مضامین نہ ہوں وہ بھی ہوں لیکن ہمارا جو اصل میدان ہے اول توجہ اُدھر ہونی چاہیے۔ پس میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ لیکچروں کے نوٹ ان کو یہاں لکھوائے جائیں اور اُنہی لیکچروں کو وہ سارے ہندوستان میں مختلف مقامات پر بیان کرتے پھریں۔ بے شک اس طرح جو لیکچر امرتسر میں دیا جائے گا وہی لاہور میں دیا جائے گا اور وہی جالندھر وغیرہ میں دیا جائے گا۔ مگر اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امرتسر والوں نے جو کچھ سنا وہ لاہور والوں کے لئے پرانا نہیں۔ ان کے لئے وہ نیا ہی ہو گا۔ اِسی طرح لاہور والے جو سن چکے ہوں جالندھر اور راولپنڈی کے لئے وہ مضمون پرانا نہیں

ہو گا۔ اس جگہ کے لئے وہ مضمون نیا ہو گا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی کامیابی کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ کر کے ایک لیکچر تیار کرتے تھے۔ پھر قادیان آکر کچھ حضرت خلیفہ اول سے پوچھتے اور کچھ دوسرے لوگوں سے اور اِس طرح ایک لیکچر مکمل کر لیتے۔ پھر اسے لے کر ہندوستان کے مختلف شہروں کا دَورہ کرتے اور خوب کامیاب ہوتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر بارہ لیکچر آدمی کے پاس تیار ہو جائیں تو اُس کی غیر معمولی شُہرت ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ابھی سات لیکچر تیار کئے تھے کہ ولایت چلے گئے۔ لیکن وہ ان سات لیکچروں سے ہی بہت مقبول ہو چکے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک لیکچر بھی اچھی طرح تیار کر لیا جائے تو چونکہ وہ خوب یاد ہوتا ہے اِس لئے لوگوں پر اس کا اچھا اثر ہو سکتا ہے۔ پہلے زمانہ میں اِسی طرح ہوتا تھا کہ صَرف میر4 کا الگ استاد ہوتا تھا نحو میر5 کا الگ استاد ہوتا تھا۔ پکی روٹی کا الگ استاد ہوتا تھا اور کچی روٹی کا الگ استاد ہوتا تھا۔ اور چاہیے بھی اِسی طرح کہ جو لیکچرار ہوں اُن کو مضامین خوب تیار کر کے دیے جائیں اور وہ باہر جا کر وہی لیکچر دیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سلسلہ کے مقصد کے مطابق تقریریں ہوں گی اور ہمیں یہاں بیٹھے بیٹھے پتہ ہو گا کہ انہوں نے کیا بولنا ہے۔ اصل لیکچر وہی ہوں گے۔ اِس کے علاوہ اگر مقامی طور پر ضرورت ہو تو تائیدی لیکچروں کے طور پر وہ اَور کسی مضمون پر بھی بول سکتے ہیں۔ مضمون تیار کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ وہ خود بھی تحقیق کریں اور دوسرے علماء بھی اُس کے متعلق نوٹ لکھوائیں اور اس طرح ایک مجموعی نظر اُس مضمون پر پڑ جائے۔ اِسی طرح ہر دَورہ کے بعد ایک اَور لیکچر تیار ہو جائے۔ اس طرح مرکز کی نگرانی کے ماتحت سلسلہ کی آواز سارے ہندوستان میں پھیل جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر موجودہ صورت میں فِی الْحال تین چار آدمیوں کا ایک گروپ بنا دیا جائے تو بھی کام چل سکتا ہے۔ ان میں سے ایک عربی دان ہو، ایک انگریزی دان ہو جو سیاسیات اور اقتصادیات کے متعلق لیکچر دے سکے اور ایک لیکچرار ایسا ہو جو مختلف مذہبی جماعتوں کے متعلق واقفیت رکھتا ہو۔ مثلاً سکھوں کے متعلق یا برہمو سماجیوں کے متعلق یا مسز اینی بیسنٹ6 کی تھیوسافیکل سوسائٹی والوں کے متعلق۔ اس طرح اگر ہمیں مناسبِ حال لیکچرار مل جائیں جو سارے ہندوستان کا دورہ کرتے پھریں۔ دو تین ماہ دَورہ کریں

پھر ایک دو ماہ قادیان آکر آرام کریں اور پھر دَورہ شروع کر دیں تو میں سمجھتا ہوں اگر چوبیس پچیس لیکچرار آہستہ آہستہ تیار ہو جائیں تو اِس سال میں بڑی بڑی تمام جگہوں پر تین تین چار چار دفعہ تقریریں ہو جائیں گی۔ اگر ایک جلسہ اور دوسرے جلسہ کے درمیان کا فاصلہ ایک ہفتہ رکھا جائے اور پھر چھٹیاں بھی نکال دی جائیں تو ہر انسان چالیس لیکچر دے سکے گا۔ اگر تیس لیکچر بھی سمجھ لئے جائیں اور چوبیس آدمی ہوں تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ سال بھر میں سات سَو بیس لیکچر ہو جائیں گے۔ اگر سو بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دیئے جائیں تو سات لیکچر ایک شہر میں ہو جائیں گے۔ یہ کتنا عظیم الشان کام ہو گا۔ سات لیکچر ہونے کے معنے یہ ہیں کہ لوگوں کو ہر دوسرے مہینے لیکچر سننے کا موقع مل جائے گا۔ اِس کے لئے نظارت دعوۃ و تبلیغ کو چاہیے فوراً ایک ایک انگریزی دان، عربی دان، ہندو، سکھ مذاہب سے واقفیت والے آدمی تیار کرے۔ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ تمام ہندوستان میں دَورہ کر کے تقریریں کریں۔ ان کے لئے تقاریر کا پروگرام مرکز تجویز کرے گا۔ ہاں اگر ضرورت کے موقع پر وہ کوئی اَور لیکچر بھی کسی جگہ دے دیں تو اِس میں حرج نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی جماعت میں تحریک کی جائے کہ بڑے بڑے شہروں کی جماعتیں اپنے ہاں مشورہ کر کے ہمیں بتائیں کہ وہ کس کس وقت جلسہ کرانا چاہتی ہیں۔ میرے نزدیک اگر پنجاب میں جنوری، فروری اور مارچ کے مہینوں میں دَورے کئے جائیں اور اپریل کا مہینہ چھٹی کر دی جائے کیونکہ یوپی میں اپریل مئی کے مہینوں میں شدید گرمی ہوتی ہے اس لئے کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جون، جولائی اور اگست میں یوپی اور بہار کا دَورہ کیا جائے اور ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر میں بنگال آسام کا دَورہ ہو تو دو سال میں سارے ہندوستان کا دَورہ ہو جائے گا۔ لیکن اگلے سال تک اگر دوسری پارٹی تیار ہو جائے تو ان دو پارٹیوں میں سے ایک پارٹی شمالی ہند کا دَورہ کر سکتی ہے اور دوسری جنوبی ہند کا۔ اِس طرح ایک ہی وقت میں سارے ملک میں آوازیں بلند کی جا سکتی ہیں۔ ان دَوروں کے وقت جو اعتراضات اِن مبلغین پر ہوں وہ اُن کو جمع کرتے چلے جائیں اور جب وہ ایک مہینہ کی چھٹی پر قادیان آئیں تو ان کی روزانہ مجلس ہو جس میں اُن سوالوں کے جواب تیار کئے جائیں اور جو مشکلات اُن کو پیش آئیں ان کو مدنظر رکھ کر آئندہ پروگرام بنایا جائے۔ اِس طریق سے ایک

ہی وقت میں بہت سے مقامات میں احمدیت کی آواز بلند کی جا سکتی ہے۔ اگر ہمارے پاس کافی تعداد میں آدمی تیار ہو جائیں تو سارے ہندوستان میں منظّم طور پر یہ تبلیغی سکیم جاری کی جا سکتی ہے۔ اگر ہمیں انگریزی میں تقریر کرنے والے چھ سات آدمی مل جائیں اور ان کے ساتھ عربی دانوں اور ہندی دانوں کو ملا کر چھ گروپ بنا دیئے جائیں تو بار بار سارے ہندوستان میں تقریریں ہو سکتی ہیں۔ اور تھوڑے وقت میں بہت زیادہ کام سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ اور ہم ہندوستان کے ہر گوشہ میں اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں ہمارے مبلغین کو مجموعی طور پر سال میں قریباً تین ہفتے ٹھہرنے کا موقع مل جایا کرے گا۔

پس جہاں میں نظارت دعوۃ و تبلیغ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس قسم کی تبلیغ کا انتظام کرے وہاں میں نوجوانوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیاں اِس کام کے لئے وقف کریں اور خدمتِ دین کر کے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے مورد بنیں۔ کسی کا یہ خیال کر لینا کہ موجودہ مبلغوں میں سے کسی مبلغ کو فارغ کر لیا جائے گا درست نہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے موجودہ مبلغوں میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے فارغ نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے ہی مبلغین کے پاس اتنا کام ہے جو اُن کی طاقت سے بیسیوں گُنا زیادہ ہے۔ پھر پہلے مبلغین کا کام اَور قسم کا ہے اور یہ کام اَور قسم کا ہو گا۔ بہرحال ہم پہلے مبلغوں میں سے کسی کو فارغ نہیں کر سکتے۔ پس میں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیاں دین کی اشاعت کے لئے وقف کر کے رضائے الٰہی کے مستحق بنیں۔

اس کے بعد میں ایک چھوٹی سی بات تجارت کے حصہ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ وقفِ تجارت کے متعلق دفتر تحریک جدید میں سَو کے قریب درخواستیں آ چکی ہیں اور ان میں سے بعض لوگ گھبرا گئے ہیں کہ ہمیں درخواست دیے ہوئے اِتنی دیر ہو گئی ہے لیکن ابھی تک ہمیں بُلایا نہیں گیا اور وہ بار بار اِس کے متعلق خط لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسے کام کے لئے بہت لمبے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر ان لوگوں کو ایسے علاقوں میں بھجوا دینا جن کے متعلق ہمیں کچھ بھی علم نہیں کہ وہاں کے حالات کیسے ہیں کِس طرح درست ہو سکتا ہے۔ بے شک وقف کرنے والے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں لیکن ہمیں بھی تو عقل سے کام لینا چاہیے۔

جس جگہ کے حالات کے متعلق نہ ہمیں خبر ہو نہ پتہ اور نہ ہم وہاں کے حالات کا اندازہ لگا سکتے ہوں ایسی جگہ کسی آدمی کو بھیجنا گویا اُس کو ایسی مصیبت میں ڈالنا ہے کہ ممکن ہے وہ اُس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے۔ پس ہمیں جب تک ان علاقوں کے حالات کے متعلق پوری واقفیت نہ ہو جائے ہم کیوں کسی کو مصیبت میں ڈالیں۔

تجارت کی اِس سکیم کے لئے ابتدائی کارروائی شروع کر دی گئی ہے اور یہ تجویز کیا گیا کہ بمبئی میں تحریک جدید کی طرف سے ایک ایجنسی جاری کی جائے اور ہمارے دو تین آدمی کمیشن ایجنسی کا بمبئی میں تجربہ حاصل کریں۔ کیونکہ ایسے آدمیوں کا ملنا مشکل ہے جو اِس کام کے متعلق پہلے ہی تجربہ رکھتے ہوں۔ جب یہ اس کام کو سیکھ لیں گے تو ان کو مدراس، کراچی یا دوسری جگہوں میں پھیلا دیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ کچھ اَور آدمی لگا دیے جائیں گے جن کو یہ لوگ کام سکھائیں گے۔ اِس طرح تھوڑے تھوڑے آدمی کام سیکھتے چلے جائیں اور کام پر لگتے چلے جائیں گے۔ ابتدا میں ہر علم کو سیکھنا پڑتا ہے کیونکہ بغیر سیکھے کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح تجارت کا علم بھی سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ بیرونی ممالک میں سے بعض ملکوں میں ہمارے آدمی پہنچ چکے ہیں اور اُن کی طرف سے خط و کتابت جاری ہے۔ اور امید ہے کہ جلدی ہی ان بیرونی ممالک اور ہندوستان میں تجارت کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ مجھے محکمہ تجارت کی طرف سے یہ شکایت پہنچی ہے کہ احمدی صنّاع اُن کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اس کے بر عکس غیر احمدی صنّاع ان سے ہر قسم کا تعاون کر رہے ہیں۔ بعض احمدی صنّاعوں سے کہا گیا کہ جو چیزیں وہ تیار کرتے ہیں اُن کا نمونہ دیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی نمونہ نہ دیا۔ اِس کے مقابلہ میں سیالکوٹ کے ایک صنّاع نے جو غیر احمدی ہے محکمہ تجارت والوں کو لکھا کہ میں اِس کے لئے تیار ہوں۔ اور جب محکمہ والوں کی طرف سے اُسے جلد جواب نہ پہنچا تو وہ خود قادیان آیا اور کہا کہ میں واپس جاتے ہی اپنے مال کے نمونے بھجوا دوں گا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے گزشتہ خطبات میں بیان کیا تھا کہ ہماری غرض تجارت کے ذریعہ تبلیغی سنٹر قائم کرنا ہے۔ اگر بڑے بڑے شہروں میں ہمارے تجارتی مرکز قائم ہو جائیں تو ان مرکزوں کے ذریعہ تبلیغ بہت آسانی سے وسیع کی جا سکتی ہے اور جماعت پر کسی قسم

کا مالی بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔ دوسری غرض یہ ہے کہ جماعت میں صنعت و حرفت اور تجارت کو ترقی دی جائے۔ اور صنّاعوں اور تاجروں میں ایک نظام قائم کر دیا جائے اور ان کی ایک جماعت اور جتھابن جائے۔ اور وہ منظم طور پر دنیا میں ایسے پھیل جائیں جیسے کیکڑے کے پاؤں چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور احمدی تاجروں کو تجارت میں اِتنی طاقت حاصل ہو جائے کہ ہر قوم اِن سے مل کر تجارت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ دنیا میں بعض قومیں بعض خاص قسم کی چیزوں کی تجارت کرتی ہیں اور اُن چیزوں پر اُن کا قبضہ ہوتا ہے۔ گو عام طور پر وہ دوسری چیزوں کی بھی تجارت کر لیتی ہیں لیکن وہ خاص چیز جس کی وہ تجارت کرتی ہیں اُن کی تجارت کا محور اور ستون ہوتا ہے اور کوئی شخص اُس کی تجارت میں اُن کے مقابل پر آکر جیت نہیں سکتا۔ مثلاً بعض قومیں کپڑے کی تجارت کرتی ہیں۔ اور بعض چمڑے کی تجارت کرتی ہیں۔ لوگ عام طور پر ان کے ساتھ مل کر کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ میرے مد نظر یہ بڑی بڑی دو اغراض تھیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد میں ابھی اِس چیز کی اہمیت کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ صنّاع اور تاجر محکمہ تجارت سے تعلق قائم کریں اور ہر رنگ میں ان سے تعاون کریں۔ لیکن میرے اس اعلان کے باوجود جو لوگ تعاون نہیں کرنا چاہتے محکمہ تجارت کو چاہیے کہ ان کی پروا نہ کرے۔ ہماری غرض تجارت سے تبلیغ کو پھیلانا ہے۔ چاہے تبلیغ احمدیوں کے مال سے ہو یا ہندوؤں اور سکھوں کے مال سے ہو۔ یا عیسائیوں کے مال سے ہو۔ یعنی ہم کمیشن ایجنسیاں قائم کر رہے ہیں۔ خواہ ہمیں کسی احمدی کے مال کی ایجنسی مل جائے یا ہندو یا سکھ یا عیسائی فرم کی ایجنسی مل جائے ہماری پہلی غرض ہر رنگ میں پوری ہو جائے گی۔ یعنی ہم اپنی تبلیغ کو دنیا کے ہر حصہ میں پھیلا سکیں گے۔ اگر ایک شخص کے پاس سکھ فرم کی ایجنسی ہے اور اسے تبلیغ میں ہر قسم کی آسانی ہے اور وہاں اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ خود بھی تبلیغ کر سکتا ہے دوسروں سے بھی تبلیغ کرا سکتا ہے۔ اگر کوئی مبلغ اُس کے پاس جائے۔ وہ اُس کی تقریر کا انتظام کرا سکتا ہے۔ اور اس کے رستہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تو ہماری پہلی اور اصل غرض پوری ہو گئی۔ ہمارا اِس میں کیا حرج ہے کہ تبلیغ سکھ کے مال سے ہو یا کسی اور قوم کے مال سے۔

پس اگر جماعت کے صنّاع اور تاجر تعاون نہ کریں تو بھی ہمارا پہلا نقطہ نگاہ پورا ہو جائے گا اور دوسرے نقطہ نگاہ کے لحاظ سے بھی تحریک جدید کو کوئی نقصان نہیں۔ اگر ہماری تجارتی سکیم کامیاب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نصرت سے تجارت کے کچھ حصہ پر ہم قابض ہو جائیں اور ہماری تجارت ہندوستان اور بیرونی ممالک میں شروع ہو جائے اور فرض کرو کہ ہماری ہزار ایجنسیاں ہندوستان اور بیرونی ممالک میں قائم ہو جائیں تو پھر حسرت انہیں لوگوں کو ہو گی جنہوں نے محکمہ تجارت سے تعاون نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ تعاون کرتے تو ان کی چیزیں ہزار جگہ بکنے لگ جاتیں۔ پس محکمہ کو کسی طرح بھی نقصان نہیں۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ محکمہ کو اِس کام میں اُس کی نادانی اور ناواقفی کی وجہ سے کامیابی نہ ہو پھر بھی ہمارا فائدہ ہے کہ ایک احمدی تاجر یا صنّاع کے چار پانچ روپے کے نمونے بچ گئے۔ گو عام طور پر کمیشن ایجنسی سے نقصان نہیں ہوا کرتا۔ پس اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ کوئی تعاون کرتا ہے یا نہیں کرتا بلکہ بار بار تحریک کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک نیا کام ہے اور ہر نئی چیز سے لوگ گھبراتے ہیں۔ اور جب بار بار وہی چیز اُن کے سامنے آتی ہے تو پھر اُس سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محکمے کی ناتجربہ کاری ہے کہ وہ اِتنی جلدی گھبرا گئے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ایک آواز اٹھائی جائے تو سب لوگ فوراً اُس کی طرف بھاگ پڑیں۔ بلکہ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک کام کے متعلق کہا جائے کہ یہ مفید ہے تو وہ لوگ جو اصل حالات سے واقف نہیں ہوتے وہ اپنے علم اور کہنے والے کے علم کا مقابلہ کرتے ہیں اور چونکہ ہر ایک کا علم الگ الگ ہوتا ہے اِس لئے وہ لوگ اس کام کے کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ اور جب ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کام واقعی مفید ہے تو خود بخود اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت کرنا اَور چیز ہے اور صنعت و حرفت کو منظّم کرنا اَور چیز ہے۔ تجارت کرنا اَور چیز ہے اور تجارت کو منظّم طور پر چلانا اَور چیز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص تجارت کی تنظیم کر سکتا ہو وہ تجارت بھی اعلیٰ درجے کی کر سکتا ہو۔ یا جو شخص صنعت و حرفت میں کامیاب ہو وہ اُس کی تنظیم میں بھی کامیاب ہو۔ یا جو شخص تجارت میں کامیاب ہو وہ اُس کی تنظیم میں بھی کامیاب ہو۔ یا جو شخص صنعت و حرفت کی تنظیم میں کامیاب ہو وہ صنعت و حرفت بھی اعلیٰ درجے کی جانتا ہو۔ یہ دونوں الگ الگ راستے ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں کہ تمام صنّاع یا تاجر

سیکرٹری تجارت کی بات فوراً مان لیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے سیکرٹری تجارت کسی کو کہے کہ دو روپے جوہڑ میں ڈال دو۔ تو وہ کبھی بھی اِس کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ اِسی طرح اگر سیکرٹری تجارت کسی کو کہے کہ دو روپے کا نمونہ جوہڑ میں پھینک دو تو وہ کبھی بھی پھینکنے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ اور وہ نہ پھینکنے میں حق بجانب ہو گا۔ اِسی طرح اِس وقت عام لوگوں کے نزدیک سیکرٹری تجارت کو نمونہ دینا گویا جوہڑ میں ڈالنے کے مترادف ہے اس لئے وہ تعاون نہیں کرتے۔ پس گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ بار بار مختلف رنگوں میں تحریک کرتے رہنا چاہیے۔ ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جماعت کے لوگوں کو چندہ ضرور دینا چاہیے خواہ تین مہینہ میں ایک دھیلہ ہی دیں۔ لیکن آہستہ آہستہ تین ماہ میں ایک دھیلہ سے بڑھتے بڑھتے ہر ماہ ایک آنہ فی روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ اگر دوسری تحریکوں کے چندوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ دس فیصدی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ جو نکمے اور بے اثر ہیں وہ ایک آنہ فی روپیہ بھی چندہ نہیں دیتے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اکثر ایسے ہیں جو بہت زیادہ چندہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ابتدا تین ماہ میں ایک دھیلہ سے ہوئی تھی۔ پھر جن لوگوں کی وصیت ہے اُن میں سے بعض پندرہ فیصدی تک دیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو تینتیس فیصدی تک دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پچاس فیصدی تک بلکہ اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ اور ابھی ہم خوش نہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیں اِس سے بھی زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین ماہ میں ایک دھیلے سے کام شروع کیا تھا تو سیکرٹری صاحب تجارت کون ہیں کہ ان کا کام پہلے دن ہی روپیہ سے شروع ہو۔ پس لوگوں کو بار بار تحریک کرتے رہنا چاہیے۔ جو آج قائل نہیں وہ کل ہو جائیں گے۔ جو کل قائل نہ ہوں گے وہ پرسوں قائل ہو جائیں گے۔ جو پرسوں قائل نہ ہوں گے وہ اترسوں قائل ہو جائیں گے۔ اس کے بِالمقابل میں احمدی صنّاعوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ وقت کی ضرورت کو پہچانیں اور جو بھی ان کی صنعت ہو مثلاً کوئی بٹن بنا رہا ہے، کوئی سیاہی بنا رہا ہے، کوئی پالش بنا رہا ہے وہ اپنے اپنے نمونے محکمہ تجارت کو بھجوا دیں۔ کیونکہ جہاں جہاں محکمہ کی ایجنسیاں قائم ہو گئی ہیں وہاں کے لوگ نمونے مانگتے ہیں۔ اور محکمہ کے پاس نمونے نہ ہوں تو اِسے بہت دِقت پیش آتی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ نوجوان اور صنّاعوں کا عجیب قسم کا مطالبہ

ہے کہ سلسلہ اُن کی چیزوں کی ایڈورٹائزمنٹ(Advertisement) بھی کرے اور جب باہر سے ان چیزوں کے نمونے مانگے جائیں تو قیمتاً خرید کر بھیجے۔ جو لوگ نمونے مفت دیں اُن کا مطالبہ تو کسی قدر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن جن لوگوں نے نمونے مفت نہیں دیے اُن کا یہ مطالبہ کسی طرح درست نہیں کہ ہماری چیزوں کے اشتہار بھی تم دو۔ اور اگر باہر سے ان چیزوں کے نمونے مانگے جائیں تو خرید کر بھیج دو۔

آجکل تجارت میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی سمجھا جاتا ہے کہ اشتہار سے کام لیا جائے اور اپنی چیز کو ملک میں زیادہ سے زیادہ شُہرت دی جائے۔ انگلستان میں اس بات کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ ویمبلے اِگزیبشن(Exhibition) میں ایک تین آنے کی نِب کے لئے اس کے مالک نے بائیس ہزار روپیہ دے کر ایک میز کی جگہ لی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تین آنے کی نِب کے لئے آپ نے بائیس ہزار روپیہ خرچ کیا ہے اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ اس نے کہا یہ رقم تو کچھ بھی نہیں ہمارا ڈیلی میل(Daily Mail) میں روزانہ اشتہار چھپتا ہے اُس کے لئے ہم پندرہ ہزار پونڈ سالانہ ڈیلی میل والوں کو دیتے ہیں۔ گویا سوا دو لاکھ روپے وہ اشتہار کے لئے ڈیلی میل والوں کو دیتے تھے حالانکہ اُن کو کوئی خاص کامیابی بھی نہ ہوئی۔ کیونکہ بعد میں مَیں نے وہ نِب کسی کے پاس نہیں دیکھا۔ لیکن باوجود اِس کے وہ لوگ اشتہارات پر بہت سارا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں تا کہ ان کے نام کی شُہرت ہو جائے۔ اور دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جس فرم یا جس کمپنی کا نام لوگوں نے سنا ہوا ہو اُس کی چیز خرید لیں گے قطع نظر اِس کے کہ وہ چیز کسی کام کی ہے یا نہیں۔

پس اپنی چیز کو شُہرت دینا اِس زمانہ میں تجارت کا ایک ایسا حصہ ہے جس کے بغیر تجارت میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو ایک شخص جس چیز کی شُہرت نہیں وہ بازار میں اپنی چیز لے کر آیا اور سارے بازار میں پھر گیا۔ لیکن اُس سے کسی نے نہ خریدی تو اُس کا بازار میں پھرنا بے فائدہ اور بے کار نہیں ہو گا بلکہ دوسری دفعہ جب وہ آئے تو اُس کو نئی واقفیت پیدا کرنے یا اپنی واقفیت کرانے کی ضرورت نہ ہو گی۔ کیونکہ بازار کے لوگ اُس کے متعلق جانتے ہوں گے کہ ان کا فلاں چیز کا کارخانہ ہے۔ اور جس کو ضرورت ہو گی وہ اسے آرڈر دے کر اس سے لے لے گا۔ اور اس کا پہلی دفعہ آنا اسے نئی تحقیقات سے بچالے گا اور ایک دفعہ جب

واقفیت ہو جائے تو پھر لوگ ہمیشہ تحقیقات نہیں کیا کرتے۔ میں حیران ہوں کہ تاجر لوگ اِن باتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن پھر بھی اُنہیں اِس طرف توجہ دلانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بہر حال ہمارے محکمہ تجارت کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے صنّاعوں سے تحریک کرتے رہنا چاہیے اور بار بار لوگوں کو کہنا چاہیے کہ جو لوگ اُنہیں نمونے بھیجیں اُن کو وہ بنیاد کے طور پر استعمال کریں۔ اور اپنی تجارت کی اِس پر بنیاد رکھیں۔ اور میں جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ محکمہ تجارت سے تعاون کریں اور اپنی چیزوں کے نمونے اسے بھیج دیں۔ جن لوگوں کے نمونے آئیں گے ہم انکے لئے کوشش کریں گے کہ ہندوستانی اور بیرونی ممالک میں جہاں جہاں ہمارے آدمی موجود ہیں وہاں ان کے نمونے بھجوا دیں۔ پھر جس جس ملک سے مانگ آئے گی اُس کو مہیا کرتے چلے جائیں گے۔

پس جن لوگوں نے تجارت کے لئے زندگیاں وقف کی ہیں اُن کو گھبرانا نہیں چاہیے اور جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ جُوں جُوں ان کے لئے کام نکلتا آئے گا ہم ان کو بلاتے جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت تینوں کی گھبراہٹ فضول ہے۔ یعنی زندگیاں وقف کرنے والوں کی جلدی کرنا اور گھبرانا فضول ہے ہم ان کے بلانے کے لئے آہستہ آہستہ انتظام کر رہے ہیں۔ اور تاجروں اور صنّاعوں کا بخل بھی غلط ہے۔ انہیں اپنے نمونے بھیجنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور محکمہ تجارت کو بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر احمدی تاجر اور صنّاع ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تو کوئی حرج نہیں۔ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے پاس بہت کام ہے اور تمام تجارت انہیں کے ہاتھوں میں ہے اُن سے مل کر اپنے لئے تجارت کا میدان تیار کرنا چاہیے۔ احمدیوں کے پاس تو تجارت کا ایک فیصدی بھی نہیں بلکہ ایک فیصدی تو کیا احمدیوں کے پاس تجارت کا کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کروڑویں حصے کا 1/10 حصہ بھی احمدیوں کے پاس نہیں۔ پس ان کے تعاون نہ کرنے سے گھبرانا خلافِ عقل ہے۔"

(الفضل 7 نومبر 1945ء)

1: کنڑی: Kinnuari اس کو Kanauri اور Kanor کے تلفظ سے بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو انڈیا کے صوبہ ہماچل پردیش کے Kinnaur ضلع میں بولی جاتی ہے۔ اور

2000ء کی مردم شماری کے دوران یہ زبان بولنے والوں کی تعداد70 ہزار افراد تھی۔

(Wikipedia – Kinnauri Language)

2 :اِکّا: (یکّہ) گھوڑا جس گاڑی کو کھینچتا ہے۔

3: بخاری کتاب الایمان باب الدِّیْنُ یُسْرٌ

4 :صَرفِ میر: میر سید علی بن محمد بن علی شریف حسینی جرجانی(1339ء-1413ء)المعروف سید الشریف جرجانی کی مؤلفہ عربی قواعد کی کتاب۔

5 :نحوِ میر: میر سید علی بن محمد بن علی شریف حسینی جرجانی(1339ء-1413ء)المعروف سید الشریف جرجانی کی مؤلفہ عربی قواعد کی کتاب۔

6 :اینی بیسنٹ: (Annie Besant):(1847ء تا1933ء) انگریز تھیاسوفسٹ اور مقرر۔ انہوں نے ہندوستان میں ہوم رول کی تحریک چلائی۔1889ء میں میڈم بلاوسکی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر تھیوسوفسٹ ہو گئیں۔1907ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی صدر منتخب ہوئیں۔ جدوجہد آزادی میں انہوں نے نہایت اہم کردار سرانجام دیا۔

(Wikipedia under the topic of " Annie Besant")